خلفاے راشدینؓ کی شان میں 'گستاخانہ باتیں' لکھنا

جہانگیر کا یہ الزام کہ اپنے آپ کو خلفاے راشدینؓ سے افضل سمجھتا ہے اور ان کی شان میں بہت سی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں، یہ بھی محض الزام و بہتان ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں جہانگیر نے نہ تو کوئی واقعہ پیش کیا ہے اور نہ کوئی تحریر ہی پیش کی ہے۔ البتہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مکاتیب نمبر ۱۹۲، ۱۰۲، ۲۵۱، ۱۶۶، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۵، ۳۶، ۶۷، ۹۶، جلد دوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی فضیلت وعظمت کے بارے میں قرآن اور سنتِ رسولؐ اور احادیث کی روشنی میں نہایت ہی واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں تحریر کیا ہے۔ نیز خلفاے راشدینؓ کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے۔ اپنے مکتوب نمبر ۲۰۲ جلد اوّل میں تحریر کرتے ہیں کہ: ''وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اہل سنت والجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو افضل جانے۔ اس گروہ میں تو یہ امر طے ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتّے سے بہتر جانے تو وہ ان کمالات سے محروم ہے۔ سلف کا اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ ''انبیا علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے خلاف کرے''۔[1] (مکتوب ۲۰۲، جلد اوّل، ص ۴۳۸)

اس طرح آپ نے اپنے مکتوبات میں نہایت ہی شرح وبسط سے واشگاف الفاظ میں بلاکسی ابہام کے خلفاے راشدینؓ سے متعلق اپنے عقیدہ ومسلک کو پیش کیا ہے۔ اس سے کسی قسم کی غلط فہمی اور شک وشبے کی گنجایش نہیں رہ جاتی۔ اس واضح اعلان کے بعد بھی یہ کہنا اور سمجھنا کہ آپؒ اپنے آپ کو خلفاے راشدینؓ سے افضل سمجھتے اور کہتے ہیں، جہالت، دیدہ دلیری، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

جہانگیر نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ ''میں نے جتنے سوالات بھی کیے ان میں سے کسی ایک

---

[1] مکتوبات امام ربانیؒ، جلد اوّل، دوم وسوم (اردو)، مترجم: قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور۔

کا بھی (شیخ احمد سرہندیؒ) جواب نہیں دے سکا۔ وہ بے عقل وکم فہم ہونے کے علاوہ مغرور اور خود پسند بھی نکلا''۔

جہانگیر نے نہ تو اپنے سوالات تحریر کیے ہیں اور نہ شیخ احمد سرہندیؒ ہی کے جوابات لکھے ہیں۔ اس لیے ایک غیر جانب دارانہ طالب علم کی حیثیت سے اس کے متعلق محض یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض جہانگیر کا ایک دعویٰ ہے جو بہتان کی تعریف میں آتا ہے۔ سوالات اور جوابات کی غیر موجودگی میں اس کی حقیقت اور اصلیت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ 'بے عقل وکم فہم'، 'مغرور اور خود پسند' قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ دل کا بخار نکالا جا رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے مروجہ درباری آداب کے مطابق دربار میں جہانگیر کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ کیوں کہ شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مکتوب نمبر ۹۲ جلد دوم میں حق تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز قرار نہیں دیتے۔ اس لیے جب آپ نے مروجہ درباری آداب کے مطابق سجدہ نہیں کیا ہوگا تو اس سے جہانگیر کی انانیت کو زبردست ٹھیس لگی ہوگی۔ اس نے کبھی تصور وگمان بھی نہ کیا ہوگا کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نڈر اور بے خوف بھی ہوسکتا ہے جو مروجہ سجدۂ تعظیمی ادا کرنے سے انکار کردے۔ لیکن آپ کا یہ فعل سراسر شریعت کے اتباع پر مبنی تھا۔ اس میں نہ کسی کی مخالفت تھی اور نہ مخاصمت۔ نہ کسی کی توہین، نہ کسی کی دل آزاری۔ یہ تو محض شریعت کی پاس داری وعظمت کے تصوّر کے تحت بہت ہی مومنانہ اور جرأت مندانہ عمل تھا۔ جہانگیر کو آپ کا یہ فعل بہت ہی ناگوارِ خاطر گزرا ہوگا۔ اسی ناراضی کی بنا پر آپ کو 'بے عقل وکم فہم، مغرور اور خود پسند' ہونے کا طعنہ دیا ہوگا۔

آخر میں جہانگیر یہ تحریر کرتا ہے کہ اس (شیخ احمد سرہندیؒ) کے مزاج کو شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی کا ازالہ کرنے اور عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے اس کی روک تھام کے لیے میں نے شیخ سرہندی کو اَنی سنگھ دلن کے حوالے کیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید رکھے۔

جہانگیر نے مجدد الف ثانی کو قلعہ گوالیار میں قید کرنے کے لیے اَنی سنگھ دلن کے حوالے کیوں کیا تھا؟ اَنی سنگھ دلن ایک راجپوت اور ہندو امیر مملکت تھا جو جہانگیر کا بہت ہی معتمد علیہ اور منظورِ نظر تھا۔ جہانگیر نے اپنے عہد کے تمام معتوبین یا مخالفوں کو اسی کے حوالے کیا تھا، مثلاً: ۱- مرزا رستم، جو پانچ ہزاری ذات وسوار کا منصب رکھتا تھا اور ٹھٹھہ کا صوبے دار تھا، ۲- خسرو، جو جہانگیر کے

مقابلے میں تخت کا دعوے دار تھا، جس نے بغاوت بھی کی تھی اور ناکام ہوکر گرفتار ہوا، ۳- مرزا حکیم کے پوتے (جو اکبر کا بھائی تھا اور اس کے خلاف بغاوت بھی کی تھی)، ہرمز اور ہوسنگ، ۴- کشتواڑ کا راجا کنور سنگھ جس نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی۔

ان سب کو جہانگیر نے اَنی سنگھ دلن ہی کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ شیخ احمد سرہندی کو بھی اس کے سپرد کیا اور صرف ایک ماہ قبل جہانگیر نے سنہ جلوس ۱۴ ماہ فروردیں ۸۰ ہی کو اس کو دو ہزاری ذات و ہزار و شش صد (۱۶۰۰) سوار کے منصب پر فائز کیا تھا۔ (تزک جہانگیری، سلیم واحد سلیم، ص ۲۸۱، ۳۵۴، ۵۵۰، ۵۶۴، ۶۷۵، ۷۱۳)

اَنی سنگھ دلن پر اپنے خصوصی اعتماد کی وجہ سے جہانگیر نے شیخ احمد سرہندی کو اس کے سپرد کیا۔ اس کے ہندو راجپوت ہونے کی وجہ سے جہانگیر کو یہ یقین تھا کہ اَنی سنگھ دلن کو شیخ احمد سرہندی کی ترویج شریعت کی تحریک سے ہمدردی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اس کی نگرانی میں شیخ احمد پر گرفت سخت رہے گی اور انھیں کوئی سہولت و رعایت نہیں مل سکے گی۔

خلاصہ یہ کہ جہانگیر نے اپنی خودنوشت سوانح حیات تزکِ جہانگیری میں سال جلوس ۱۴ ماہ خوردار ۲۲ کو شیخ احمد سرہندیؒ پر جو الزامات و اتہام لگائے ہیں وہ ناقدانہ تجزیے کی رُو سے بالکل بے بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمدؒ کے مخالفین اور حاسدین نے جہانگیر کو اس قدر ورغلایا اور برہم کر دیا اور اس قدر بے سروپا باتیں اس کے کان میں ڈالیں کہ آپ کے لیے جہانگیر کے دل میں شدید مخالفت پیدا ہوگئی۔ اس وجہ سے جہانگیر نے حضرت شیخؒ کے خلاف ایسے سخت اور ناشائستہ الفاظ استعمال کیے جن میں نہ تو ادبیت ہے اور نہ اندازِ شرافت ہی۔

ڈاکٹر حمید اللہ اور قانون بین الممالک

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (۱۹۰۸ء-۲۰۰۲ء) اسلام کے بطلِ جلیل، جنھوں نے اپنی ساری زندگی، توانائی اور صلاحیتیں دین وعلم کی اشاعت اور خدمت کے لیے وقف کردی۔ تحصیل علم کے بعد قلم وقرطاس سے جو رشتہ وتعلق قائم ہوا وہ تادمِ آخر برقرار رہا۔ انھوں نے بلامبالغہ اس قدر لکھا اور پڑھا کہ اس کا احاطہ آسانی سے ممکن نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے زندگی کے آخری برسوں میں دیارِ مغرب خصوصاً فرانس کے غیر مسلموں کے تاریک سینوں کو دینِ اسلام کے نور سے منور کرنے اور انھیں مشرف بہ اسلام کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی دینی، علمی اور تحقیقی سرگرمیوں اور دل چسپیوں کا میدان وسیع اور متنوع تھا۔ انھوں نے قرآن، علم القرآن، حدیث، فقہ، سیرت رسولؐ اور اسلامی تاریخ وقانون پر گراں قدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اہل علم ودانش میں سے کسی کے نزدیک وہ ایک بلند پایہ سیرت نگار تھے تو کسی کے نزدیک ماہر قانونِ اسلام وفقہ، اور کوئی ڈاکٹر صاحب کے کثرتِ مطالعہ اور قوتِ مشاہدہ کا معترف ہے تو کوئی ان کی تحقیقی وتخلیقی صلاحیت کا قدردان۔ ڈاکٹر صاحب کی ۹۵ سالہ طویل زندگی اور کثیر الجہت سیرت وشخصیت اور کمالات وافادات کا جائزہ واحاطہ ایک نشست میں ممکن نہیں، تاہم ان کے انتقال کے بعد اُردو میں ان کی جو تالیفات وتصنیفات سامنے آئی ہیں، اس مضمون میں اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوام عالم میں قانونِ بین الممالک کی اہمیت کا شدت سے احساس پیدا ہوا۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے قیام کے ساتھ ہی ایک منشور ترتیب دیا گیا، جس میں باہمی تعلقات

کی استواری اور دوسرے مسائل اور نزاعات کے حل کے لیے قوانین وضع کیے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اقوام متحدہ کے اس منشور کو بھی اردو میں منتقل کیا۔ (ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاول پور، ص ۱۱۵)

علامہ ابنِ القیم کی کتاب احکام اہل الذمہ ڈاکٹر صبحی الصالح کی تحقیق سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس پر جو پُرمغز مقدمہ لکھا، وہ بھی اُن کے قانون بین الاقوامی کے شعور کا غماز ہے۔ اس میں انھوں نے اسلام کے ملکی اور بین الاقوامی قوانین، غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات اور 'اہل ذمہ' کے حقوق و معاملات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس موضوع پر قدما میں امام سرخسی کی شرح الکبیر معرکہ آرا کتاب ہے۔ دراصل اس میں صلح و جنگ کے طریقے، غیر مسلم اقوام سے تعلقات اور تجارت وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون کو جاننے کے لیے یہ کتاب بہت اہم ہے۔ امام سرخسی کے زمانے میں، جب کہ صلیبی جنگیں لڑی جارہی تھیں، بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی قوانین یقیناً زیر بحث رہے ہوں گے۔ اس وقت کے اہم تقاضے کو امام سرخسی نے اس طرح پورا کیا کہ امام محمد کی کتاب کتاب السیر کی شرح لکھوائی۔ یہ شرح جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے حیدرآباد دکن اور مصر سے کئی بار شائع ہوچکی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر یونیسکو (UNESCO) نے اسے فرانسیسی زبان میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ یہ کام بھی ڈاکٹر صاحب کے قلم سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ [1] تاہم یہ کتاب بہ زبان فرانسیسی ابھی تک شائع نہیں ہوسکی۔

اسی حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ کی دو حصوں پر مشتمل ایک اور اہم تصنیف الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی و الخلافة الراشده ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات اور ان کے دریافت جوابات، فرامین، معاہدے، دعوت اسلامی، عمّال کا تقرر، اراضی کے عطیات، آمان نامے، وصیت نامے وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے حصّے میں عہدِ خلافتِ راشدہ کی دستاویزات کو یک جا کیا گیا ہے۔ (خطبات بہاولپور، ص ۱۱۸)

اس موضوع پر ڈاکٹر حمید اللہ کی ایک اور اہم کتاب The Muslim Conduct of State ہے۔ اس میں قانون بین الممالک کی غرض، اساس اور اس کے ماخذ سے بحث کی گئی ہے اور ماقبل اسلام قانون بین الممالک کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ موضوع کے دوسرے گوشوں، مثلاً

---

[1] ارسطو، سیاسیات، مترجم سید نذیر نیازی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۴۱-۴۲

آزادی، اختیارات، سفارت، جنگ، بغاوت، ڈاکا زنی، جنگی قیدیوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک، فوج میں مسلم خواتین وغیرہ جیسے موضوعات پر ڈاکٹر صاحب نے نہایت عمدہ بحث وتحقیق پیش کی ہے۔ اس کے بارے میں مولانا ابوالجلال ندوی رقم طراز ہیں: ''مسلمانوں کے بین الاقوامی آئین پر یہ پہلی کتاب ہے جو اس زمانے کی ضرورتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ تنگ اور محدود نسلی اور جغرافیائی قومیت کی پیدا کردہ عالم گیر کش مکش کی وجہ سے اب دنیا کا رجحان بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ وسعت صرف اسلام ہی میں مل سکتی ہے، اس لیے اسلام کے بین الاقوامی قوانین کو پیش کرنا ایک بڑی خدمت ہے''۔

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کے اب تک بارہ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ترکی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔ یہ کتاب، پاکستان، بھارت اور ترکی کے علاوہ جرمنی سے بھی شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے ہر ایڈیشن میں اضافے اور نظرثانی کر کے اُسے پہلے سے بہتر بناتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب *First Written Constitution in the World* ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے 'میثاق مدینہ' پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اُسے 'پہلا عالمی دستور' قرار دیا گیا ہے اور مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ یہ پہلا کثیر قومی و نسلی اور مذہبی وفاق تھا۔ اس سلسلے کی ایک اور انگریزی کتاب *The Prophet Establishing* (پاکستان ہجرہ کونسل، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء) بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض کتابیں بظاہر سیرت پر ہیں، مثلاً رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، عہدنبویؐ کے میدان جنگ، اور عہدنبویؐ میں نظامِ حکمرانی وغیرہ، مگر ان میں بھی قانون بین الممالک کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا انداز محققانہ اور مدلل ہے۔ ان کی تمام تحریریں اس کا ثبوت ہیں۔ خاص طور پر قانون بین الممالک کے میدان میں ان کا کام اپنے ہم عصر مفکرین میں نہایت منفرد ہے۔ انھوں نے قدیم نظریۂ سیر میں اضافے کیے ہیں اور اسلامی قانون بین الممالک کے ارتقا اور اس کی تشکیل نو میں ان کا کردار بڑا کلیدی ہے۔ اس کی تصدیق ان کی تحریروں اور خطبات سے ہوتی ہے، جنھیں درج ذیل نکات کی صورت میں سمیٹا جاسکتا ہے:

● اُردو میں انٹرنیشنل لا (International Law) کا ترجمہ 'بین الاقوامی قانون' کیا جاتا ہے، مگر ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کے لیے عموماً 'قانون بین الممالک' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قانون اصل میں سلطنتوں یا حکومتوں کے آپس کے تعلقات سے متعلق ہوتا ہے۔ حالت جنگ میں بھی اور حالت امن میں بھی سلطنت کے باشندوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی دو قوموں کے تعلقات سے اس میں بحث نہیں ہوتی بلکہ مملکتوں کے معاملات و مفادات سے بحث ہوتی ہے، لہٰذا 'قانون بین الممالک' کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔[1] ابتدا میں International law کی جگہ ڈاکٹر حمید اللہ اسے Inter State کہتے اور لکھتے تھے۔

● قانون بین الممالک (یعنی علم السیر) ایک ایسا علم ہے، جو مسلمانوں کا رہین منت ہے اور مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اسے علم کے طور پر متعارف کیا، مگر مغربی اہل قلم اور دانش ور کہتے ہیں کہ جدید بین الاقوامی قانون مغربی مفکرین کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جدید بین الاقوامی قانون کی داغ بیل سترھویں صدی کے ایک مفکر گروشش (۹۹۱ھ تا ۱۰۵۵ھ/ ۱۵۸۳ء تا ۱۶۴۵ء) نے ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب نے مغرب کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ بین الاقوامی قانون اپنی عالم گیر اور آفاقی صورت میں صرف مسلمانوں کا مرہونِ منت ہے۔ اس نوع کا قانون بین الممالک سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی وضع کیا۔ یہ قانون بلاتفریق رنگ و نسل، تمام اقوام کے لیے یکساں ہے۔ یہ شریعت کا حصّہ ہے اور ہر اسلامی مملکت اور ہر مسلمان حکمران کے لیے واجب الاتباع ہے۔

● بعض مغربی اسکالر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ علم پہلے یونانیوں نے متعارف کرایا، لیکن ڈاکٹر حمید اللہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ بعض مغربی مصنفین ہی کے بیانات سے اس دعوے کو مسترد کرتے ہیں۔ ان مغربی مصنفین کے بیان کے مطابق یونان کی شہری ریاستوں میں اگر باہمی تعلقات کے حوالے سے کچھ معین قاعدے تھے تو وہ صرف اپنے ہم نسل یونانیوں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق تھے۔ گویا ایک یونانی شہری ریاست دوسری یونانی شہری ریاست کے ساتھ تعلقات میں معین قواعد پر عمل کرتی، دیگر باقی ساری دنیا کو وحشی قرار دے کر انھیں اس قابل نہیں

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مقدمہ) احکام اہل الذمہ، از علامہ ابن القیم، ص ۸۲

سمجھتے تھے کہ ان کے ساتھ کسی معینہ قاعدے قانون کے تحت معاملات کریں۔ یونان کا سب سے بڑا فلسفی ارسطو غیر یونانیوں کے بارے میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ ''فطرت نے انھیں یونانیوں کا غلام بننے کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے متعلق یونانی اپنی صواب دید پر جو چاہے عمل کرسکتا ہے''۔

● ڈاکٹر حمید اللہ بعض یورپی مصنّفین کے اس دعوے کو بھی مسترد کرتے ہیں کہ: ''یہ بین الاقوامی قانون (International Law) رومیوں کے ہاں ملتا ہے''۔ ان کا کہنا ہے کہ رومیوں کے ہاں جنگ و امن کے حوالے سے کچھ قوانین ضرور تھے لیکن یہ قوانین ساری دنیا کے لیے نہیں تھے۔ صرف ان ممالک کے لیے تھے جن کے ساتھ رومیوں کے معاہدے ہوتے تھے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر حمید اللہ مشہور انگریز مؤرخ اوپن ہائم (جس نے انٹرنیشنل لا پر ضخیم کتاب تحریر کی) کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رومیوں کا دعویٰ تھا کہ: ''یہ کرۂ ارض رومیوں کا ہے''۔ یعنی پوری دنیا رومیوں کی ملکیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی اپنے گھر کے اندر قانون بین الممالک کا استعمال نہیں کرتا۔ (مجید قدوری Islamic Law of Nation، بالٹی مور، ۱۹۴۴ء، ص ۷)

● اس کے بعد یکایک ہزار سال کی جست لگا کر یورپی مؤرخین کہتے ہیں کہ بین الاقوامی قانون چودھویں، پندرھویں صدی میں شروع ہوتا ہے۔ اس دوران گزرنے والے اسلامی دور کا، مغربی مؤرخین کچھ تذکرہ نہیں کرتے۔ بہرحال مغربی مؤرخین جسے 'جدید بین الاقوامی قانون' (Modern International Law) کہتے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ اس کو بھی تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۲ء میں پہلی مرتبہ مجبوراً یورپی عیسائی سلطنتوں نے اعتراف کیا کہ ان قوانین کا اطلاق ایک غیر عیسائی سلطنت (یعنی سلطنت عثمانیہ) کے ساتھ بھی ہوگا۔ تاہم، اس کے بعد پھر ۶۰، ۷۰ سال تک کسی غیر عیسائی ریاست کو ان قوانین کا حق دار نہیں سمجھا گیا۔ [1]

● ڈاکٹر حمید اللہ لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کے انٹرنیشنل لا کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کیوں کہ اقوام متحدہ میں بھی ہر ملک کو اپنی ذاتی حیثیت سے رکن نہیں بنایا جاتا جب تک کہ کم از کم دو ایسی سلطنتیں جو پہلے سے اقوام متحدہ کی ممبر ہوں، سفارش نہ کریں، اور یہ اطمینان نہ دلائیں کہ

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ The Islamic Review، جولائی اگست ۱۹۶۶ء (پروفیسر مجید قدوری کی کتاب Islamic Law of Nation پر ڈاکٹر حمید اللہ کا تبصرہ)

یہ واقعی متمدن سلطنتیں ہیں اور اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ انٹرنیشنل لا کے مطابق عمل جائے۔ اس کے برعکس اسلامی انٹرنیشنل لا میں اس فرق اور امتیاز کی کوئی گنجایش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک مسلمانوں کے معیار کے قواعد وضوابط پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔ (ڈاکٹر حمید اللہ he Muslim Conduct of State، ص ۱۶)

● ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک قانون بین الممالک جو حقیقت میں قانون بھی ہے اور بین الممالک بھی ہے، مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے اور اس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ہو ہے۔ ہجرت سے قبل مکہ میں 'ریاست در ریاست' کی کیفیت اور ازاں بعد مدینہ میں جب ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی تو دیگر ممالک اور خودمختار اکائیوں سے ان کے تعلقات، امن و جنگ کے آغاز ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِعمل مسلمانوں کے لیے نظیر بنتا گیا۔ گویا رسولؐ اللہ کی سیرت اور بعد ازاں ان کے خلفاؓ کے طریق کار میں وہ تمام اصول وضع ہوگئے جن پر آگے چل کر فقہا اضافہ کرتے رہے اور ایک واقعی ہمہ گیر نوعیت کا انٹرنیشنل لا وجود میں آیا جس کو 'علم السیر' کا نام دیا گیا۔

● اسلامی قانون بین الممالک تمام حکومتوں (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے لیے ہے۔ اس میں مذہب، علاقہ، نسل وغیرہ کی بنیاد پر کسی قوم کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا ہے۔ 'اسلامی قانون بین الممالک'، اسلامی شریعت کا ایک حصّہ ہے۔ چنانچہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ بھی معاہدات کی پابندی اسی طرح واجب ہے، جس طرح دیگر احکام۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اسلامی قانون بین الممالک کا مقصد غیر مسلم قوموں کے ساتھ عدل وانصاف پر مبنی تعلقات استوار کرنا ہے۔ یہ قانون اپنے پیچھے ایک مضبوط اور مؤثر قوتِ نافذہ رکھتا ہے۔ اس کی قوت نافذہ جہاں ریاست کی قوتِ قاہرہ اور اس کا قانونی نظام ہے، وہیں اس میں اللہ کے سامنے جواب دہی جیسے مفاہیم بھی شامل ہیں۔

● ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کے 'علم السیر' کے ارتقا کی تاریخ بتاتے ہوئے اطلاع دیتے ہیں کہ قدیم ترین تحریر امام زید ابن علی (م: ۱۲۰ھ/ ۷۳۸ء) کی کتاب المجموع فی الفقه کا ایک